قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ

الفضل لندن

مدیر۔ ابو سعید

Online Edition

منگل 18 مئی 2021ء | 05 شوال 1442 ہجری قمری | جلد:3 | شمارہ:117

ارشاد باری تعالیٰ

وَّ اَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یُمَتِّعۡکُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ یُؤۡتِ کُلَّ ذِیۡ فَضۡلٍ فَضۡلَہٗ ؕ وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ کَبِیۡرٍ۔

(ھود: 4)

ترجمہ:۔ اور یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرتے ہوئے جھکو تو وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک بہترین معیشت عطا کرے گا۔ اور وہ ہر صاحبِ فضیلت کو اس کے شایان شان فضل عطا کرے گا۔ اور اگر تم پھر جاؤ تو یقیناً مَیں تمہارے بارے میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

فرمانِ رسول ﷺ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص مجھ سے بالشت بھر قریب ہوتا ہے میں اس سے گز بھر قریب ہوتا ہوں۔ اور جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔

(صحیح مسلم-کتاب التوبة–باب في الحض على التوبة–والفرح بها)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

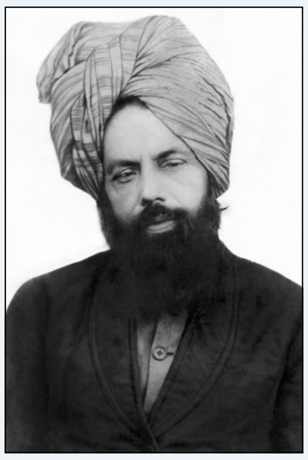

استغفار اور توبہ

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

’’استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں۔ ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدّم ہے۔ کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خدا سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادت اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا تو خدا تعالیٰ ایک قوت دے دے گا اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاوے گا اور نیکیوں کے کرنے کے لئے اس میں ایک قوت پیدا ہو جاوے گی جس کا نام تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ ہے۔ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے۔ اگر استغفار نہ ہو تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مرجاتی ہے۔ پھر اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے تو نتیجہ یہ ہو گا یُمَتِّعۡکُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔

سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پا لو گے۔ ہر ایک حِس کے لئے ایک دائرہ ہے جس میں وہ مدارج ترقی کو حاصل کرتا ہے۔ ہر ایک آدمی نبی، رسول، صدیق، شہید نہیں ہوسکتا۔‘‘

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 68-69۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پھر توبہ کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

’’واضح ہو کہ توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کا نام بھی توّاب ہے یعنی بہت رجوع کرنے والا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان گناہوں سے دست بردار ہو کر صدق دل سے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے بڑھ کر اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور یہ امر سراسر قانون قدرت کے مطابق ہے۔ کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ نے نوع انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ جب ایک انسان سچے دل سے دوسرے انسان کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا دل بھی اس کے لئے نرم ہو جاتا ہے۔ تو پھر عقل کیونکر اس بات کو قبول کرسکتی ہے کہ بندہ تو سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے مگر خدا اس کی طرف رجوع نہ کرے۔ بلکہ خدا جس کی ذات نہایت کریم و رحیم واقع ہوئی ہے وہ بندہ سے بہت زیادہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کا نام ... توّاب ہے۔ یعنی بہت رجوع کرنے والا۔ سو بندے کا رجوع تو پشیمانی اور ندامت اور تذلّل اور انکسار کے ساتھ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا رجوع رحمت اور مغفرت کے ساتھ۔ اگر رحمت خدا تعالیٰ کی صفات میں سے نہ ہو تو کوئی مخلصی نہیں پا سکتا‘‘۔

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 133-134)

فرمان خلیفہ وقت

’’اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے مقصدِ پیدائش کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ دنیا اور اس کے کھیل کود اور اس کی چکا چوند تمہیں تمہارے اس دنیا میں آنے کے مقصد سے غافل نہ کر دے بلکہ ہر وقت تمہارے پیش نظر یہ رہنا چاہئے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنا ہے، اس کی عبادت کرنی ہے۔ اگر یہ مقصد تمہارے پیش نظر رہے تو یاد رکھو یہ دنیا خود بخود تمہاری غلام بن جائے گی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں جہاں بھی ہم نظر ڈالتے ہیں شیطان بازو پھیلائے کھڑا ہے۔ اس کے حملے اور اس کے لالچ اس قدر شدید ہیں کہ سمجھ نہیں آتی اُن سے کیسے بچا جائے۔ ہر کونے پر، ہر سڑک پر، ہر محلے میں، ہر شہر میں شیطانی چرخے کام کر رہے ہیں۔ اور سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہو ان شیطانی حملوں سے بچنا مشکل ہے۔ جدھر دیکھو کوئی نہ کوئی بلا منہ پھاڑے کھڑی ہے۔ دنیا کی چیزوں کی اتنی اٹریکشن (Attraction) ہے، وہ اتنی زیادہ اپنی طرف کھینچتی ہیں اور سمجھ نہیں آتی کہ انسان کس طرح اپنے مقصد پیدائش کو سمجھے اور اس کی عبادت کرے۔ لیکن ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص احسان ہے کہ اُس نے خود ہی ان چیزوں سے بچنے کے لئے راستہ دکھا دیا ہے کہ مستقل مزاجی اور مضبوط ارادے کے ساتھ استغفار کرو تو شیطان جتنی بار بھی حملہ کرے گا منہ کی کھائے گا اور اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو گی۔‘‘

(خطبہ جمعہ 20/ مئی 2005ء)

اس شمارہ میں

- خدا کے بعد اس نے ہم فقیروں پر یہ شفقت کی (منظوم)
- اسلام اور احمدیت کی ترقی کی دعائیں
- ’’بنیادی مسائل کے جوابات‘‘
- بنی اسرائیل اور یہود میں فرق

دربارِ خلافت

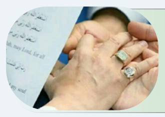

آیتِ استخلاف ۔۔۔یعنی وہ آیت جس میں مومنین سے خدا تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ کیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

ان آیات (سورۃالنور آیات 54 تا 57) کا ترجمہ یہ ہے:

اور انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائیں کہ اگر تو انہیں حکم دے تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ تو کہہ دے کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ دستور کے مطابق اطاعت کرو۔ یقیناً اللہ جو تم کرتے ہو اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔

کہہ دے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ پس اگر تم پھر جاؤ تو اُس پر صرف اتنی ہی ذمہ داری ہے جو اُس پر ڈالی گئی ہے اور تم پر اتنی ہی ذمہ داری ہے جتنی تم پر ڈالی گئی ہے۔ اور اگر تم اُس کی اطاعت کرو تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور رسول پر کھول کھول کر پیغام پہنچانے کے سوا کچھ ذمہ داری نہیں۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے ان کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اُس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ اور نماز کو قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیات جو میں نے پڑھی ہیں، ان میں سے ایک آیت جیسا کہ ہم جانتے ہیں اور ترجمہ بھی آپ نے سُنا، آیتِ استخلاف کہلاتی ہے۔ یعنی وہ آیت جس میں مومنین سے خدا تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مختلف کتب میں اس آیت کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اور تفصیل بیان فرماتے ہوئے مختلف طریق پر اُس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اپنی ایک مختصر سی کتاب یا رسالہ ''الوصیت'' میں اس حوالے سے اپنے بعد جماعت احمدیہ میں نظامِ خلافت جاری ہونے کی خوشخبری عطا فرمائی۔ یہ رسالہ آپ نے دسمبر 1905ء میں تصنیف فرمایا جس میں تقویٰ، توحید، اپنے مقام، خلافت اور قربِ الٰہی کے حصول کے لئے جماعت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے، مالی قربانی کے جاری رکھنے کے لئے وصیت کا عظیم الٰہی منصوبہ بھی پیش فرمایا جو درحقیقت حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا ایک ایسا نظام ہے جس کے سامنے تمام معاشی نظام بے حقیقت ہیں کیونکہ وہ تقویٰ سے عاری اور صرف چند لوگوں یا چند ظاہری پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ بہرحال اس کی تفصیلات اور جزئیات تو بہت سی ہیں لیکن میں آپ علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں، جو آپ نے اس رسالہ میں بیان فرمائے تھے، کچھ اقتباسات آپ کے سامنے رکھوں گا۔

وصیت کا نظام تو جیسا کہ میں نے کہا کہ 1905ء میں جب یہ کتاب لکھی گئی تھی، اُس وقت بقیہ صفحہ 3 پر

خدا کے بعد اس نے ہم فقیروں پر یہ شفقت کی

خدا کے بعد اس نے ہم فقیروں پر یہ شفقت کی
خلافت کے سوا کس نے بھری محفل میں الفت کی

وہ لمحے مسکراہٹ کے وہ نظروں کو جھکا لینا
غلامانِ خلافت نے دل و جاں سے محبت کی

میں واری جاؤں اس پر جس کے روحانی مریض اتنے
وہ جس نے سجدوں کے ذریعہ کروڑوں کی طبابت کی

وہ جس کے اک اشارے پر سبھی قربان ہو جائیں
اسی ہی عہد پر ہم نے یہ بیعت خلافت کی

ادب اتنا ضروری ہے خلافت کے تعلق میں
کہ قاہر سنتے ہی کہہ دو مرے آقا اطاعت کی

م ا قاہر

آج کی دعا

رَبِّ اغْفِرْلِی، وَارْحَمْنِی، وَاجْبُرْنِی، وَارْزُقْنِی، وَارْفَعْنِی

(سنن ابن ماجہ کِتَابُ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَالسُّنَّةُ فِيهَا بَابُ مَا يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حدیث:898)

ترجمہ: اے میرے رب! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر، میرے نقص دور فرما، مجھے رزق دے اور مجھے بلندی عطا فرما۔

یہ سید و مولیٰ مقدس الانبیاء پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کی نماز میں دو سجدوں کے درمیان کی دعا ہے۔

ہمارے پیارے آقا سیّدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس دعا کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ دو سجدوں کے درمیان دعا کیا کرتے تھے کہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ کہ اے میرے رب مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما۔ وَاجْبُرْنِیْ اور میرے بگڑے کام سنوار دے۔ اور مجھے رزق عطا فرما۔ اور میرے درجات بلند فرما۔

(سنن ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ باب مایقول بین السجدتین حدیث نمبر 898)

یعنی وَاجْبُرْنِی کے حوالے سے میرے روحانی، جسمانی، مادی، جتنے بھی معاملات ہیں ان کی اصلاح فرما اور میرے سب کام اس حوالے سے سنوارتا چلا جا۔ یہ دعا یقیناً اس لئے آنحضرتؐ نے ہمیں سکھائی تا کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی اصلاح کی بھیک خدا تعالیٰ سے مانگیں اور اُس حالت سے بچنے کی کوشش کریں جب یہ خدا کو بھولنے والے انسان کو اس لفظ کے ان معانی کا حامل بنا دیتا ہے جس کے نتیجے میں انسان حد سے زیادہ بڑھنے والا، سختی کرنے والا، باغی اور سرکش ہو جاتا ہے۔

(خطبہ جمعہ 23/ مئی 2008ء)

مرسلہ: مریم رحمٰن

تبرکات حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے رضی اللہ عنہ

اسلام اور احمدیت کی ترقی کی دعائیں

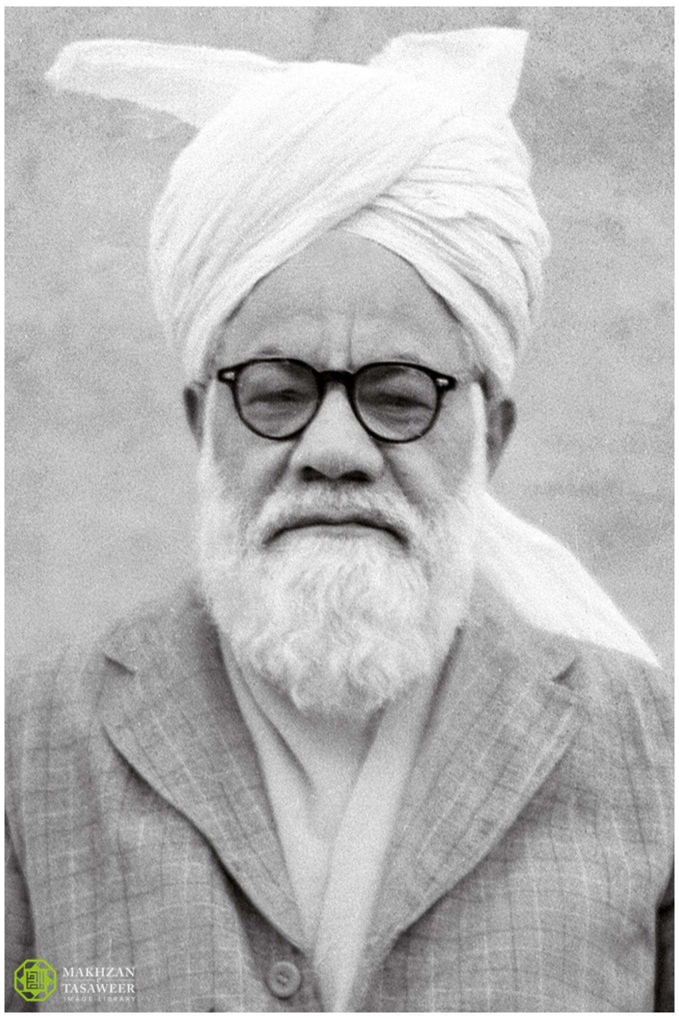

اس سال اپنی بیماری کی وجہ سے یہ خاکسار نہ تو رمضان کی برکات کے متعلق کوئی تفصیلی مضمون لکھ سکا ہے اور نہ ہی دعاؤں کی کوئی خاص تحریک کر سکا ہے۔ آج رمضان کی اٹھائیس (28) تاریخ ہے اور کل انشاء اللہ تعالیٰ انتیسویں تاریخ ہو گی جو غالباً موجودہ رمضان کی آخری تاریخ ہو گی اور پھر یہ رات بھی طاق رات ہو گی۔ جو رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق خاص طور پر بابرکت راتوں میں شمار ہوتی ہے۔ پس میں اس مختصر سے نوٹ کے ذریعہ دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ رمضان کے اس آخری حصہ میں اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے خاص طور پر دعائیں کریں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ صداقت کے دائمی اور عالمگیر غلبہ کا دن جلد تر لے آئے۔ آخر ہم کب تک رینگتے رہیں گے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے کہ:

’’بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر مینار بلند تر محکم افتاد‘‘

اس الہام میں احمدیت کے ذریعہ اسلام کی غیر معمولی ترقی اور سر بلندی کی خبر دی گئی ہے جو ازل سے آخری زمانہ کے لئے مقدر تھی۔ پس دوستوں کو چاہئے کہ رمضان کے بقیہ حصہ میں جو غالباً صرف ایک دن اور ایک رات ہے۔ اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے خاص طور پر دعائیں کریں۔

باقی جہاں تک دعا کے الفاظ کا تعلق ہے اس کے متعلق میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ جن الفاظ سے بھی دعا کرنے والے کے دل میں رِقّت اور سوز کی کیفیت پیدا ہو ان الفاظ میں دعا کی جائے۔ لیکن اگر ذیل کے درود کے الفاظ میں دوستوں کے قلوب میں خاص توجہ اور رِقّت پیدا ہو سکے تو اس زمانہ میں یہ درود بھی بہت خوب ہے اور اس میں سب کچھ آجاتا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی عَبْدِكَ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وَبَارِكْ وَسَلَّمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

آل کے لفظ میں تمام سچے اور مخلص مُتّبع شامل ہیں۔

(محررہ 27مارچ 1960ء)

(روزنامہ الفضل 29 مارچ 1960ء)

بقیہ: دربار خلافت...... از صفحہ 2

سے جاری ہو گیا تھا۔ لیکن آیتِ استخلاف کے حوالے سے جو بات آپ علیہ السلام نے اس کتاب میں بیان فرمائی ہے یعنی خلافتِ احمدیہ۔ وہ اس رسالے کے لکھے جانے کے تین سال بعد آج سے ایک سو تین سال پہلے آپ علیہ السلام کے وصال کے بعد آج کے روز 27/ مئی 1908ء کو جاری ہوئی۔ اور یہ نظامِ خلافت وہ نظام ہے جو چودہ سو سال کی محرومی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ آپ کے سامنے رکھوں یا اقتباسات پیش کروں، اِن آیات کی مختصر وضاحت پیش کروں گا تا کہ نظامِ خلافت سے متعلقہ قرآنی احکام بھی سامنے رہیں۔ اِن آیات میں اللہ اور رسول کو ماننے والوں کے لئے اور خلفاء کی بیعت کرنے والوں کے لئے بھی ایک مکمل لائحہ عمل سامنے رکھ دیا ہے۔ اور پہلی بات اور بنیادی بات یہ بیان فرمائی کہ اطاعت کیا چیز ہے اور اس کا حقیقی معیار کیا ہے؟ اطاعت کا معیار یہ نہیں ہے کہ صرف قسمیں کھالو کہ جب موقع آئے گا تو ہم دشمن کے خلاف ہر طرح لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ صرف قسمیں کام نہیں آتیں۔ جب تک ہر معاملے میں کامل اطاعت نہیں دکھاؤ گے حقیقت میں کوئی فائدہ نہیں۔ کامل اطاعت دکھاؤ گے تو تبھی سمجھا جائے گا کہ یہ دعوے کہ ہم ہر طرح سے مرمٹنے کے لئے تیار ہیں حقیقی دعوے ہیں۔ اگر اُن احکامات کی پابندی نہیں اور اُن احکامات پر عمل کرنے کی کوشش نہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے دیئے ہیں تو بسا اوقات بڑے بڑے دعوے بھی غلط ثابت ہوتے ہیں۔ پس اصل چیز اس پہلو سے کامل اطاعت کا عملی اظہار ہے۔ اگر یہ عملی اظہار نہیں اور بظاہر چھوٹے چھوٹے معاملات جو ہیں اُن میں بھی عملی اظہار نہیں تو پھر دعوے فضول ہیں۔ إِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ کہہ کر یہ واضح فرما دیا کہ انسانوں کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جو ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے، ہر مخفی اور ظاہر عمل اُس کے سامنے ہے، اس لئے اُس کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ پس ہمیشہ یہ سامنے رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ اور ایک حقیقی مومن کو اس بات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ اور جب ایک انسان کو اس باتِ پہ یقین قائم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے تو پھر صرف قسمیں ہی نہیں رہتیں بلکہ دستور کے مطابق اطاعت کا اظہار ہوتا ہے۔ ہر معروف فیصلے کی کامل اطاعت کے ساتھ تعمیل ہوتی ہے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت بجا لانے کے لئے انسان حریص رہتا ہے۔ اُس کے لئے کوشش کرتا ہے۔ أَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَأَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کے ساتھ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ بھی یعنی امیر اور نظامِ جماعت کی اطاعت بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ خلیفہ وقت کی اطاعت بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو یہ کامل اطاعت نہیں دکھاتے اور اپنی مرضی کرتے ہیں، فرماتا ہے کہ تمہارے ان احکامات پر عمل نہ کرنے اور پھر جانے کا گناہ جو ہے، یہ بَار جو ہے یہ تم پر ہے اور تمہی اس کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔ رسول سے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔ اللہ کے رسول پر اس کی ذمہ داری نہیں ہو گی۔ جو احکامِ شریعت تھے وہ اللہ کے رسول نے پہنچا دیئے اور پھر رسول کی اتباع میں خلیفۂ وقت نے اللہ اور رسول کے احکام پہنچا دیئے۔ پس نصیحت کرنے والے، شریعت کے احکام دینے والوں نے تو اپنا کام کر دیا۔ اُن پر عمل نہ کر کے عمل نہ کرنے والے جوابدہ ہیں۔ یہاں جو مَیں رسول کے ساتھ خلیفہ کی بات بھی جوڑ رہا ہوں تو ایک تو مَیں نے بتایا ہے قرآنِ کریم میں اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ آتا ہے۔ دوسرے خلافتِ راشدہ جو ہے وہ رسول کے کام کو ہی آگے بڑھانے کے لئے آتی ہے اور یہی نبوت کا تسلسل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا کہ میری سنت پر چلنا اور پھر خلفاء راشدین کے طریق پر چلنا۔ یہ آپ نے اس لئے فرمایا کہ خلفاء راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور سنت اور شریعت کو لے کر ہی آگے بڑھنے والے ہیں۔ یہ جو حدیث ہے یہ پوری اس طرح ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو سُلَمیؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا پُر اثر وعظ کیا کہ جس کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بَہ پڑے، دل ڈر گئے۔ ہم نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! یہ تو ایسی نصیحت ہے جیسے ایک الوداع کہنے والا وصیت کرتا ہے۔ ہمیں کوئی ایسی ہدایت فرمایئے کہ ہم صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تمہیں روشن اور چمکدار راستے پر چھوڑے جا رہا ہوں۔ اس کی رات بھی اُس کے دن کی طرح ہے۔ سوائے بدبخت کے اس سے کوئی بھٹک نہیں سکتا۔ یعنی یہ بڑے واضح راستے ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص رہا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا۔ (ساتھ انذار بھی کر دیا کہ باوجود اِن واضح راستوں کے اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔) ایسے حالات میں تمہیں میری جانی پہچانی سنت پر چلنا چاہئے اور خلفاءِ راشدین مہدیّین کی سنت پر چلنا چاہئے۔ تم اطاعت کو اپنا شعار بناؤ خواہ حبشی غلام ہی تمہارا امیر مقرر کر دیا جائے۔ اس دین کو تم مضبوطی سے پکڑو۔ مومن کی مثال نکیل والے اونٹ کی سی ہے۔ جدھر اُسے لے جاؤ وہ اُدھر چل پڑتا ہے اور اطاعت کا عادی ہوتا ہے۔

(خطبہ جمعہ 27/ مئی 2011ء)

مرتبہ:۔ظہیر احمد خان۔انچارج شعبہ ریکارڈ دفتر پی ایس لندن

’’بنیادی مسائل کے جوابات‘‘

قسط نمبر 13

بیان فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سوال:۔ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے جنگ جمل کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ اور اس کی حقیقت دریافت کی۔ نیز لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بے رحمی سے ہاتھ اٹھایا تھا، جس کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کا حمل ضائع ہو گیا۔ان باتوں میں کس حد تک صداقت ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 نومبر 2019ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔حضور نے فرمایا:۔

جواب:حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر لگایا جانے والا الزام بالکل لغو، ناحق اور واقعات اور حقائق کے برخلاف ہے۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کی وفات کے بعد چند ماہ تک زندہ رہیں اور یہ عرصہ بھی زیادہ تر ان کی بیماری کی حالت میں ہی گزرا۔

پھر حضرت فاطمہؓ تو حضور ﷺ کی حقیقی اولاد تھیں۔ان کے ساتھ حضرت عمرؓ کا ایسا سفاکانہ رویہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ حضرت عمر حضور ﷺ سے تعلق رکھنے والے غیر لوگوں سے بھی بے انتہا محبت کرتے تھے۔چنانچہ ایک موقعہ پر جب حضرت عمرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ نے مجھے اسامہ بن زیدؓ سے کم وظیفہ کیوں دیا ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:اسامہؓ رسول اللہ ﷺ کو تم سے زیادہ پیارا تھا اور اس کا باپ (یعنی حضرت زیدؓ بن حارثہ) رسول اللہ ﷺ کو تمہارے باپ (یعنی حضرت عمرؓ) سے زیادہ پیارا تھا، اس لئے میں نے اسے تم سے زیادہ وظیفہ دیا ہے۔ پس وہ شخص جو حضور ﷺ کے ایک غلام کے بیٹے کو اپنے حقیقی بیٹے پر اس قدر ترجیح دیتا ہو، اس پر یہ الزام لگانا کہ اس نے حضور ﷺ کی حقیقی اولاد کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا، کسی طرح بھی درست نہیں۔اور یہ معاندین حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت عمرؓ پر سراسر جھوٹا الزام ہے۔

جہاں تک جنگ جمل کی حقیقت ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جنگ دو مسلمان گروہوں حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے لشکروں کے درمیان ہوئی اور ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ مسلمانوں میں کوئی لڑائی ایسی خونریز نہیں ہوئی اور بہت سے مسلمان اور بڑے بڑے جرنیل اور بہادر اس جنگ میں مارے گئے۔لیکن اس ساری کارروائی کے پیچھے انہیں مفسدوں اور شریر لوگوں کا ہاتھ تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کے بعد مدینہ پر قبضہ کرلیا تھا۔اور یہ جنگ بھی انہیں مفسدوں نے دو مسلمان گروہوں میں غلط فہمیاں پیدا کر کے اور کئی شرارتوں کو خود شروع کر کے بھڑکائی تھی۔اس موضوع پر حضرت مصلح موعودؓ نے «واقعات خلافت علوی» میں نہایت سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔اسے بھی پڑھیں۔

سوال:۔مساجد میں نمازوں کیلئے بچوں کے اذان دینے کے بارہ میں ایک دوست نے محترم مفتی سلسلہ صاحب سے حاصل کردہ فتویٰ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کر کے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ چھوٹے بچوں کو اذان دینے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 دسمبر 2019ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔اس مسئلہ پر محترم مفتی صاحب کا جواب بالکل درست ہے اور مجھے اس سے اتفاق ہے۔اگر اذان دینے والے کیلئے بھی کوئی شرائط ہوتیں تو حضور ﷺ ضرور ان کی طرف بھی ہمیں توجہ دلاتے جیسا کہ آپ نے نماز کی امامت کروانے والے کیلئے کئی شرائط بیان فرمائی ہیں۔لیکن اذان کے بارہ میں حضور ﷺ نے صرف اسقدر فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے ایک شخص اذان دے۔اور اذان دینے والے کیلئے آپ نے کوئی شرائط بیان نہیں فرمائیں۔پس اذان دینا ایک ثواب کا کام ہے لیکن یہ ایسی ذمہ داری نہیں کہ اس کیلئے غیر معمولی شرائط بیان کی جاتیں۔بلکہ ہر وہ شخص جس کی آواز اچھی ہو اور اسے اذان دینی آتی ہو وہ اس ڈیوٹی کو سر انجام دے سکتا ہے۔

بچوں کو اذان دینے کا موقعہ دینے سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ان میں دین کے کام کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔جو ایک بہت اچھی بات ہے۔میں خود بھی یہاں مسجد مبارک میں مختلف بچوں سے اذان دلواتا ہوں۔

نوٹ از مرتب:۔حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب میں محترم مفتی سلسلہ صاحب کے جس فتویٰ کی توثیق فرمائی ہے، وہ فتویٰ بھی قارئین کے استفادہ کیلئے ذیل میں درج کیا جارہا ہے:۔

استفتاء:۔اذان دینے کیلئے کم از کم عمر کیا ہے؟ کیا بچہ اذان دے سکتا ہے؟

فتویٰ از مفتی صاحب:۔مؤذن کیلئے عمر کی کوئی قید ہمیں شریعت میں نہیں مل سکی۔لہٰذا اگر کوئی بچہ درست طریق پر اذان دینے کی اہلیت رکھتا ہے تو وہ اذان دے سکتا ہے۔

سوال:۔ ایک خاتون نے عورتوں کے بال کٹوانے اور ان بالوں کو کینسر کے کسی غیر مسلم مریض کو Donate کرنے کے بارہ میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار کیا۔حضور انور نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 دسمبر 2019ء میں اس سوال کا حسب ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔بغرض ضرورت عورتوں کے بال کٹوانے میں کوئی حرج نہیں۔چنانچہ حج اور عمرہ کی تکمیل پر عورتیں اپنے بال کاٹ کر ہی احرام کھولتی ہیں۔احادیث میں آتا ہے کہ صحابیات بغرض ضرورت اپنے بال کٹوایا کرتی تھیں۔البتہ عورتوں کو حلق یعنی سر منڈوانے کی اجازت نہیں۔اسی طرح حضور ﷺ نے مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔پس عورتوں کو مردوں کی طرز پر بال نہیں کٹوانے چاہئیں۔لیکن اگر زینت کی خاطر مناسب حد تک بال کٹوائے جائیں جس میں مردوں سے مشابہت پیدا نہ ہوتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

کسی مریض کو بال Donate کرنا ثواب کا کام ہے۔اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔کیونکہ جب علاج کے سلسلہ میں ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا خون اور دیگر اعضاء بطور عطیہ دے سکتا ہے تو بال کیوں نہیں دے سکتا۔

سوال:۔ایک دوست نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں گستاخ رسول کی سزا، قرآن و حدیث کو حفظ کرنے، درود شریف اور دیگر ذکر و اذکار، مختلف دعاؤں اور قرآنی سورتوں کو گن کر پڑھنے کی بابت بعض استفسارات بھجوا کر ان کے بارہ راہنمائی چاہی۔حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 دسمبر 2019ء میں ان سوالوں کے درج ذیل جوابات ارشاد فرمائے۔حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:قرآن وحدیث نے کسی گستاخ رسول کو اس دنیا میں سزا دینے کا کسی انسان کو اختیار نہیں دیا۔خود آنحضرت ﷺ نے بھی کسی گستاخ رسول کو سزا نہیں دی اور اگر کسی بد بخت کی ایسی گستاخی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے محب رسول نے اس شخص کو سزا دینے کی حضور ﷺ سے اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے انہیں بھی اس کی اجازت نہیں دی۔اپنے آقا و مطاع کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہی تعلیم بیان فرمائی ہے۔

اس کے ساتھ اسلام نے دنیا کے مختلف ادیان کے احباب حل و عقد اور دیگر اولو الامر کیلئے یہ راہنمائی بھی بیان فرمائی ہے کہ کسی کے مذہب اور ان کی قابل احترام شخصیات کا اس طرح ذکر نہ کیا جائے جو اس مذہب کے ماننے والوں کیلئے تکلیف کا باعث ہو۔

پس ایک طرف اسلام نے اس دنیا میں کسی انسان کو کسی گستاخ رسول کو سزا دینے کی اجازت نہیں دی تو دوسری طرف یہ تعلیم بھی دی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے مذہب اور ان کے پیشواؤں کا نامناسب الفاظ میں ذکر نہ کرے۔

2۔قرآن کریم اور احادیث کو حفظ کرنے کا بہترین طریق انہیں توجہ اور کثرت کے ساتھ پڑھنا ہے۔احادیث میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی اسی قسم کی شکایتوں پر حضور ﷺ نے انہیں، ان امور کی طرف توجہ کرنے اور انہیں مسلسل اور کثرت سے پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی۔

3۔درود شریف میں انہماک پیدا کرنے کا بھی یہی طریق ہے کہ محبت اور لگن کے ساتھ اس کا کثرت سے ورد کیا جائے۔جس طرح ہم اپنے دوسرے کاموں میں دلچسپی لیتے اور ان کی طرف توجہ کرتے ہیں، اگر ان نیک کاموں میں بھی یہی محبت اور دلچسپی پیدا کریں تو انشاء اللہ ضرور مقصود حاصل ہوگا۔

درود شریف کا کثرت سے ورد یقیناً بہت بابرکت ہے اور انسان کی ہر دعا حضور ﷺ پر درود کی بدولت ہی اللہ تعالیٰ کے حضور رسائی پاتی ہے جیسا کہ احادیث میں بیان ہوا ہے۔اگر صرف درود شریف ہی پڑھنا ہر انسان کیلئے کافی ہوتا اور یہ چیز اسے باقی دعاؤں سے مستغنی کردیتی تو مختلف مواقع پر حضور ﷺ خود درود شریف کے علاوہ دیگر دعائیں کیوں پڑھتے؟ اور دیگر صحابہ وصحابیات کو مختلف قسم کی دعائیں کیوں سکھاتے؟ چنانچہ احادیث میں بہت سی ایسی دعاؤں کا ذکر ملتا ہے، جو حضور ﷺ نے خود بھی کیں اور صحابہ اور صحابیات کو بھی سکھائیں۔اور یہی طریق آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیات طیبہ میں ہمیں نظر آتا ہے۔

آنحضور ﷺ کے ارشاد اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی بناء اگر کوئی شخص اس نیت سے کہ درود بھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے حصول کیلئے ایک

وسیلہ ہے۔ اس حسن ظنی سے اپنی تمام مناجات آنحضور ﷺ پر درود بھیجنا ہی بنا تا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی اس نیت اور حسن ظنی کے مطابق اس سے سلوک کرے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي۔

احادیث میں مختلف درود بیان ہوئے ہیں اور علماء امت میں بھی مختلف قسم کے درود رائج رہے ہیں۔ اور انہوں نے ان کے مختلف نام بھی رکھے ہوئے ہیں، جن میں سے بعض تفصیلی درود ہیں اور بعض مختصر ہیں۔ زیادہ برکت کا باعث اور مبارک درود تو یقیناً وہی ہے جو آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا اور آپؐ نے اپنے صحابہ کو سکھایا۔

ان امور میں اصل چیز تو انسان کی نیت، محبت اور توجہ ہے کہ کس طور پر وہ اللہ تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنا چاہتا ہے۔ پس جس نیت، محبت اور توجہ سے وہ ان امور کو سرانجام دے گا اللہ تعالیٰ تک اس کی یہ نیت اور خلوص یقیناً پہنچ جاتا ہے۔

4۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے بعض احکامات سائل کی نفسیات کو سامنے رکھ کر بیان فرمائے ہیں اسی لئے ایک ہی قسم کے سوال پر آپ کی طرف سے مختلف جواب بھی بیان ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نے جس شخص میں جیسی کمی محسوس کی اس کی اسی کے مطابق راہنمائی فرمائی۔ اس لئے بعض دعاؤں اور ذکر و اذکار کو گن کر کرنے کا بھی احادیث میں ذکر ملتا ہے جس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کم از کم اس قدر تو ضرور ان دعاؤں اور ذکر و اذکار کو بجالاؤ۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس امر کو خوب کھول کھول کر بیان فرمایا ہے کہ دعاؤں اور ذکر و اذکار کو صرف طوطے کی طرح پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیار کو پانے کیلئے ان دعاؤں اور ذکر و اذکار میں بیان اسلامی تعلیم کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا، ان کے مطابق عمل کرنا اور دیگر نیکیاں بجالانا بھی لازمی ہے۔ سورۃ الفاتحہ کو کثرت سے پڑھنے والا جب تک اس سورۃ میں بیان الٰہی صفات میں رنگین ہونے کی کوشش نہیں کرے گا اور قرآنی ہدایت صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور حدیث رسول ﷺ تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ کا جامہ زیب تن نہیں کرے گا، صرف زبانی ذکر و اذکار سے وہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ علم لدنی کے حصول کا بھی یہی ذریعہ ہے کیونکہ اسی طریق پر انسان اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کے پیار کو جذب کرسکتا ہے۔

سوال: حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ لجنہ اماء اللہ ہالینڈ کی Virtual ملاقات مؤرخہ 22 اگست 2020ء میں لجنہ کی طرف سے پردہ کے متعلق ہونے والے ایک سوال کا جواب عطاء فرماتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب: یہ پردہ صرف جماعت احمدیہ کا حکم نہیں ہے۔ ناصرات میں بھی اور لجنہ میں بھی یہ تربیت ہونی چاہیئے کہ پردہ کا حکم جو ہے یہ قرآن کریم کا حکم ہے، اللہ اور رسول کا حکم ہے۔ اس لئے جماعت نے وہ کام کرنے ہیں جو اللہ اور رسول نے فرمائے ہیں۔ اور یہ ایسے حکم ہیں جن کا ذکر ہے، واضح حکم ہیں۔ قرآن کریم میں جو بعض خاص باتیں ہیں، اہم، کھلی کھلی واضح ہدایات، احکامات ان میں ایک پردہ کا حکم ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں۔ اس میں اگر صرف یہ ہوتا کہ کسی چیز سے استنباط کیا جاتا یا کسی چیز سے سمجھا جاتا، اس کو Interpret کیا جاتا کہ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے تو پھر گنجائش نکل سکتی تھی کہ لڑکیاں سمجھیں یا عورتیں سمجھیں کہ ہاں یہاں پردہ کی اجازت ہے اور یہاں نہیں ہے۔ لیکن جب واضح حکم آ گیا تو پھر ہم نے اس حکم پہ عمل کرنا ہے اور کروانا ہے۔ یہ باتیں اچھی طرح لڑکیوں کے دماغوں میں ڈال دیں تو پردہ کی طرف بھی توجہ پیدا ہوگی۔ اصل چیز یہ پیدا کریں کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے، حدیث ہے۔ جب حیاء پیدا ہوجائے گی تو خود بخود پردہ کی طرف بھی توجہ پیدا ہوجائے گی۔ چاہے وہ یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکی ہے، وہ اپنے حیاء کے دائرہ میں رہے گی، اپنے لباس کا خیال رکھے گی اور پھر پردہ کا بھی خیال رکھے گی۔

سوال: اسی ملاقات میں ایک ممبر لجنہ نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ممبرات لجنہ کے اخباروں میں لکھنے کیلئے کونسے اقدامات کئے جاسکتے ہیں؟ اس پر حضور انور نے فرمایا:

جواب: جو بھی Contemporary Issues آتے ہیں اور اخباروں میں مضمون لکھے جاتے ہیں۔ یا آپ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ آجکل سوشل میڈیا پہ یا کہیں یہ ڈسکس ہورہے ہیں۔ اس کیلئے آپ سوشل میڈیا پہ، لجنہ کی ویب سائیٹ پہ جواب دیں تاکہ Awareness ہو۔ ہر ایک کو پتہ لگے کہ یہ اس کا اصل جواب ہے، اصل چیز یہ ہے۔ اسی طرح جو لکھنے والی ہیں ان Issues کے اوپر اسلام کے دفاع کیلئے اخباروں میں لکھیں کہ تم لوگ کہتے ہو کہ اسلام یہ کہتا ہے، یہ کہتا ہے۔ جبکہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے۔ تو جتنی لکھنے والیاں ہیں ان کو Encourage کریں کہ سوشل میڈیا پہ جو مختلف Topics آتے ہیں ان Topics کو ہی لینا ہے تاکہ Attraction پیدا ہو۔ زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھیں اور توجہ دیں اور آپ کی طرف توجہ ہو۔ مغرب میں عورتوں کے Issues کے اوپر اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ عورت کو آزادی نہیں ہے، عورت کو پردہ کی Restrictions ہیں، عورت کو فلاں پابندی میں رکھا جاتا ہے، عورت پہ فلاں ظلم کیا جاتا ہے۔ اس پہ عورتوں کو ہی لکھنا چاہیئے کہ تم یہ کہتے ہو۔ میں ایک عورت ہوں، میں نے یہ یہ لکھا ہے۔ یہاں یوکے میں بھی لجنہ لکھتی ہے اور اس کا اچھا اثر ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ مرد جواب دیں، عورتیں اس کا جواب دیں تو زیادہ اچھا اثر ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی ایک ٹیم بنائیں۔ اس کا علم بھی آپ کو ہونا چاہیئے۔ اسلامی تعلیم کا علم بھی ہونا چاہیئے۔ اور جب لکھیں تو تیاری کر کے باقاعدہ Facts and Figures کے لحاظ سے لکھنا چاہیئے تاکہ اگلے کو Impress بھی کرسکیں۔

سوال: اسی ملاقات میں ایک ممبر لجنہ نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہالینڈ میں ابھی بہت کم ممبرات لجنہ ایسی ہیں جو Independently اچھا لکھ سکتی ہیں، اس کیلئے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اس پر حضور انور نے فرمایا:

جواب: جو کم ہیں ان کو Guide کریں تو وہ تو تیار ہو جائیں گی ناں؟ جب ایک ٹیم دو کی، چار کی، چھ کی، آٹھ کی جتنی بھی ہیں وہ تیار ہو جائیں گی تو ان کو دیکھ دیکھ کے پھر مزید اور بھی تیار ہوتی رہیں گی۔ کم یا زیادہ کا سوال نہیں۔ کام کرنے والا تو ایک بھی ہو تو انقلاب آ جاتا ہے۔ تو جب جواب دیں گی تو خود ہی لوگ جواب لینے کیلئے آپ کے پیچھے پڑیں گے۔ پھر آپ مزید جواب لکھنا شروع کر دیں گی۔ اور پھر دوسروں کو بھی Encouragement ہو جائے گی کہ ہم بھی شامل ہوں، ہم بھی لکھیں۔ کسی بھی چیز کو کرنے کیلئے یا لوگوں کو ابھارنے کیلئے کوئی Incentive ہوتا ہے تو وہ Incentive یہی ہے کہ جب دو چار کے نام اخباروں میں آئیں گے تو باقیوں کو بھی شوق پیدا ہوگا کہ ہمارا بھی نام آئے، ہم بھی لکھنے کی کوشش کریں۔ پھر آہستہ آہستہ اور بڑھتی جائیں گی۔

سوال: لجنہ اماء اللہ ہالینڈ کی اسی 22 اگست 2020ء کی Virtual ملاقات میں ایک ممبر لجنہ نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ستار ہے۔ اور بچوں کے رشتے کرتے وقت جب ہم لڑکا لڑکی یا ان کے خاندان کے بارہ میں تحقیق کرواتے ہیں تو کیا یہ ٹھیک ہے؟ اس پر حضور انور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ ستار تو ہے اور اللہ تعالیٰ ستاری کو پسند کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے عیب اگر کسی کو پتہ لگ جائیں تو وہ لوگوں کو بتانے نہیں چاہئیں اور پردہ پوشی کرنی چاہیئے۔ لیکن رشتہ کے بارہ میں قرآن کریم کا یہ بھی حکم ہے کہ قول سدید سے کام لو۔ جو بھی رشتہ ہے، لڑکے اور لڑکی میں جو بھی نقص ہیں، باتیں ہیں ان کا ایک دوسرے کو پتہ لگنا چاہیئے۔ بالکل سچائی سے کام لو، کوئی اینچ پینچ نہ ہو تاکہ بعد میں رشتہ میں دراڑیں نہ پڑیں۔ اس لئے ہر بات کھل کے بتا دینی چاہیئے۔ رشتہ کا معاملہ بڑا Sensitive معاملہ ہے۔ بعد میں لڑائیاں ہوتی ہیں، باتیں ہوتی ہیں کہ ہمیں یہ نہیں بتایا، وہ نہیں بتایا۔ تو اس لئے بہتر ہے کہ رشتہ کرتے ہوئے یہ ساری باتیں بتاؤ اور قرآن کریم کی نکاح کی آیات جو ہیں ان میں اسی لئے قول سدید کے بارہ میں زور دیا گیا ہے۔ ستاری کا ایک حکم اپنی جگہ ہے وہ یہ ہے کہ تم نے کسی کے عیب ظاہر نہیں کرنے۔ تم جو رشتہ بتا رہے ہو تو یہ بتا دو کہ یہ رشتہ ہے۔ باقی اگر آپ کو اس کے بارہ میں کوئی کمزوری کا پتہ بھی ہے، جس کا رشتہ تجویز کر رہے ہیں تو یہ بتا دیں کہ یہ رشتہ ہے تم لوگ خود ہی آپس میں بیٹھو، ملو، دیکھو، دعا کرو اور پھر فیصلہ کرو۔ اگر آپ نے ستاری کرنی ہے تو یہ ہے۔ نہ یہ ہے کہ رشتہ بتانے سے پہلے آپ اس کو یہ کہہ دیں کہ اس میں تو یہ نقص ہے، یہ نقص ہے، یہ نقص ہے اور اس کا رشتہ ہی نہ ہو۔ کہہ دیں یہ رشتہ ہے، تجویز ہے۔ اس میں اچھائیاں کیا ہیں، برائیاں کیا ہیں؟ یہ تم لوگ خود مل کے بیٹھ کے دیکھو اور اگر تم لوگوں کو پسند آتا ہے تو کرلو، پھر دعا کرکے فیصلہ کرو۔ اصل چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ اور غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کونسا رشتہ کس کیلئے بہتر ہے۔ اس لئے دعا کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ استخارہ بھی کرنا چاہیئے۔ استخارہ کا مطلب خیر مانگنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خیر مانگنی چاہیئے۔ کہ اس رشتہ میں خیر ہے تو میرے لئے بہتری ہو اور آسانی سے رستے کھل جائیں۔ اور اگر اس رشتہ میں خیر نہیں ہے تو اس رشتہ میں میرے لئے روک پڑ جائے۔ تو ستاری کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ رشتہ کرتے ہوئے جو حقائق ہیں وہ بھی نہ بتائے جائیں۔ اگر آپس میں دونوں فریق مل بیٹھتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ قول سدید سے کام لیتے ہوئے آپس میں جو بھی اچھائیاں برائیاں ہیں۔ ایک دوسرے کا پتہ لگنا چاہیئے۔ ہر ایک شخص Perfect نہیں ہوتا، ہر ایک میں برائیاں بھی ہوتی ہیں اچھائیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ برائیوں کا اعلان کرتے پھرو۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات ہے جس سے بعد میں رشتہ میں دراڑ پڑنے کا خطرہ ہو، ٹوٹنے کا خطرہ ہو تو بہتر ہے کہ وہ برائی یا وہ بات پہلے ہی بتا دو۔ کوئی کمزوری ہے، کوئی بیماری ہے، کسی لڑکی میں اگر اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں یا کسی مرد میں کوئی کمزوری ہے تو وہ پہلے ہی ایک دوسرے کو پتہ لگ جانی چاہیئے۔ تاکہ بعد میں مسائل پیدا نہ ہوں۔

ع۔ا۔ ورک مربی سلسلہ

بنی اسرائیل اور یہود میں فرق

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسرائیل یعنی خدا کا پہلوان کا لقب دیا۔ آپ کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے اور ان بارہ بیٹوں سے آگے نسل چلی اور 12 قبیلے بنے۔ ان بارہ قبیلوں کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں جو مذہب لے کر آئے اس کو یہودیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ نام اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی ہوئی شریعت کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جو شریعت بھیجی اس کو خود نام دیا اور اس کا نام اسلام اور اس کے ماننے والوں کا نام مسلمان رکھا جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا

(سورۃ الحج:79)

یعنی اس نے یعنی اللہ نے اس قرآن میں بھی اور اس سے پہلی شریعت میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اسی طرح سورۃ المائدۃ 2میں ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے ہوئے مذہب کا نام یہودیت نہیں رکھا تو پھر یہ نام ان کی طرف کیسے منسوب ہوا اور بنی اسرائیل اور یہودیت میں فرق کیا ہے؟ اس مضمون کو لکھنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اس نے قرآن کریم میں ان دو لفظوں کو استعمال کیا ہے اور دونوں کے استعمال میں فرق دکھایا ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں لفظ تب ہی استعمال کیے ہیں جب یہ دونوں لفظ وجود میں آکر عُرف کے طور پر استعمال ہونے لگ گئے تھے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مضمون کو تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 354 تا 359 میں یوں بیان فرمایا ہے: ’’یہودی یا ھود جہاں بھی استعمال ہوا ہے مذہب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے اور بنو اسرائیل کا لفظ جہاں بھی استعمال ہوا ہے قوم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی جہاں حضرت یعقوب کی نسل کی طرف اشارہ مقصود ہے وہاں تو بنی اسرائیل کا لفظ استعمال کیا ہے اور جہاں ان لوگوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو اپنے آپ کو موسیٰ کے پیرو کہتے تھے وہاں یہودی یا ھود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ اس نام (یہود) کا انتخاب بعض سیاسی حالات نے خود ہی کر دیا اور وہ اس طرح کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کا لڑکا (رحبعام) ایک دنیا دار آدمی تھا اس کی تخت نشینی پر بنی اسرائیل کے سردار اس کے پاس ملنے آئے اور اس سے قانون میں بعض نرمیاں کرنے کی درخواست کی اس پر اس نے اپنے نوجوان دوستوں کے مشورہ سے انہیں سخت جواب دیا اور دھتکار کر دربار سے رخصت کر دیا۔ اس پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے دس کے سرداروں نے دربار سے باہر نکلتے ہی بغاوت کا فیصلہ کر لیا اور رحبعام بن سلیمان سے باغی ہو گئے اور رحبعام کے ماتحت صرف یہود کا علاقہ (جسے اب فلسطین کہتے ہیں) اور یہودہ اور بنیامین دو قبیلوں کے آدمی رہ گئے۔۔۔۔ اس بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسرائیلیوں کی دو حکومتیں ہو گئیں۔ ایک اس وجہ سے کہ حضرت داؤد یہودہ قبیلے میں سے تھے اور یہودی کے علاقے میں رہتے تھے یہودیہ کہلائی اس میں یہودا ور بنیامین قبائل کے افراد شامل تھے اور دوسری اس وجہ سے کہ اسرائیل کے اکثر قبائل اس میں شامل تھے اسرائیل کی حکومت کہلائی۔۔۔۔ اس اختلاف کے بعد اسرائیل کی حکومت متواتر بت پرستی کی طرف راغب ہوتی گئی اور تورات کے علماء اسے چھوڑ کر یہودیوں کی طرف بھاگ آئے اور موسوی مذہب کا گڑھ یہ یہودی حکومت بن گئی۔۔۔ چنانچہ پہلے تو اسرائیل کی حکومت کے باشندوں اور یہودی حکومت کے باشندوں میں فرق کرنے کے لئے یہودیہ کے باشندوں کو یہودی کہا جانے لگا لیکن جوں جوں مذہبی اختلاف کی خلیج بڑھتی گئی یہودی کا لفظ مقام رہائش کو بتانے کی بجائے مذہب کو بتانے کے لئے استعمال ہونے لگا اور عزیر اور نحمیاہ دونبیوں کے ذریعے جب یہودیہ دوبارہ بسایا گیا اور مذہب موسوی کی باگ ڈور کلی طور پر یہودہ کے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تو یہودی کا لفظ نسلی امتیاز یا مقامی رہائش کے معنوں سے بالکل الگ ہو کر مذہب موسوی کے پیرو کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

اس مضمون کو اچھی طرح سمجھنے اور ایک اور زاویے سے دیکھنے سے تفسیر کا ایک اور پہلو بھی نکلتا ہے اور اس پہلو کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن واقعی عالم الغیب خدا کی کتاب ہے۔ اس ذوقی نقطہ کو بیان کرنے کیلئے بنی اسرائیل کی تاریخ سے واقف ہونا ضروری ہے اس لیے اختصار کے ساتھ بنی اسرائیل کی تاریخ بیان کی جاتی ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے جن کا زمانہ آج سے قریباً 4000 سال قبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 2000 سال قبل بنتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں دو بیٹے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام پیدا ہوئے۔ ان دونوں بیٹوں کے متعلق بائبل پیدائش باب 12 اور 17 میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدے دیے ہیں کہ ان دونوں بیٹوں کی نسلوں کو میں بہت بڑھاؤں گا اور ترقیات دوں گا۔ حسب منشاء الٰہی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجاز یعنی مکہ میں آباد کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو کنعان یعنی موجودہ فلسطین و اسرائیل میں آباد کیا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے وارث ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کا خطاب دیا جس کا مطلب ہے خدا کا پہلوان۔ بائبل کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں دو بیویوں اور دو لونڈیوں سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ان بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے وجود میں آئے جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں حضرت یوسف علیہ السلام بھی تھے جن کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں رکھ دیا اور ایک قافلہ انہیں اٹھا لے گیا اور مصر میں بیچ دیا۔ بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مصر میں عزت دی اور ان کو شاہی اختیارات دیے گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہی اختیارات ملنے کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے باقی گیارہ بیٹے مع اہل وعیال بھی مصر میں ہی آ گئے۔ بائبل کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کی آخری عمر میں جب یہ خاندان مصر گیا تو اس وقت 75 افراد کا تھا اس وقت ان کیلئے بنی اسرائیل کا لفظ مستعمل نہیں تھا بلکہ قرآن کریم اِخوۃُ یُوسُفَ یوسف کے بھائی کا لفظ استعمال کرتا ہے کیونکہ کوئی بھی نام بطور لقب یا عُرف اس وقت استعمال ہوتا ہے جب وہ معاشرے میں نمایاں مقام حاصل کر لے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاندان جب حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں مصر گیا تب تک ان کی افرادی قوت بھی زیادہ نہ تھی اور نہ ہی معاشرے میں سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے کوئی نمایاں مقام ان کو حاصل تھا۔ اسی لئے قرآن کریم نے جہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے وہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل کے لئے بنی اسرائیل کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اِخْوَتُہٗ یُوسف کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ سلام سے لے کر یہ خاندان 400 سال (1700 ق م تا 1300 ق م) تک مصر میں رہا اور اس دوران یہ خاندان تعداد اور طاقت میں ترقی کرتا گیا۔ قرآن کریم نے اس دور کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ

(سورۃ المائدۃ:21)

اس ترقی والے دور میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے بننے والے قبیلوں کے لئے بنی اسرائیل کا لفظ استعمال ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس عرصے میں بنی اسرائیل کی ترقی کی وجہ یہ تھی کہ اس دوران مصر پر سامی النسل ہیکسس خاندان کی حکومت تھی جنہیں چرواہے بادشاہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ خاندان چونکہ خود فلسطین وشام

کے علاقے سے تعلق رکھتا تھا اس لیے ان کا بنی اسرائیل کے ساتھ اچھا سلوک ایک فطری وجہ تھی اور بنی اسرائیل خود مصر میں پردیسی تھے اور بغاوت کا ڈر ہمیشہ مقامی لوگوں سے ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مصر کے مقامی متعصب نسل پرست قبطی خاندان نے ہیکسس خاندان کو شکست دیکر مصر پر حکومت کر لی قبطی قوم اپنے بادشاہ کیلئے فرعون کا لقب استعمال کرتی تھی جبکہ ہیکسس قوم نہیں اسی لئے قرآن کریم حضرت یوسفؑ کے دور کے بادشاہ یا سردار کیلئے ملک اور عزیز کا لفظ استعمال کرتا ہے لیکن بائبل حضرت یوسفؑ کے دور کے بادشاہ کیلئے فرعون کا لفظ استعمال کرتی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ بائبل میں تحریفات ہو چکی ہیں اور اصل حالت میں نہیں ہے قبطی خاندان نے بنی اسرائیل اور ہیکسس خاندان کا آپس میں اچھا سلوک دیکھا ہوا تھا اور بنی اسرائیل خود بھی دنیاوی لحاظ سے مضبوط تھے لہذا قبطیوں نے اس ڈر سے کہ یہ کہیں بغاوت نہ کر دیں بنی اسرائیل پر ظلم کرنے شروع کر دیے اسکی تفصیل بائبل خروج باب 1 اور تاریخ یہود از جوزیفس کتاب دوم باب 9 اور قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں اس ظالم دور کا ذکر موجود ہے بنی اسرائیل کو ان ظلم و ستم سے بچانے کیلئے حضرت موسیٰؑ آئے وہ انکو فرعون سے بچا کر فلسطین موعودہ زمین کی طرف لے گئے لیکن حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں فلسطین داخل نہ ہو سکے بعد میں حضرت یوشعؑ کی سرکردگی میں بنی اسرائیل نے فلسطین فتح کیا حضرت یوشعؑ کی وفات کے بعد فلسطین میں بنی اسرائیل کی کوئی متحد مرکزی حکومت نہ رہی بلکہ ہر قبیلہ اپنی اپنی جگہ نیم آزاد تھا اور ہر قبیلے کا اپنا اپنا قاضی تھا اس دور کو قضاۃ کا دور کہا جاتا ہے یہ دور قریبًا 230 برس 1020 ق م تا 1225 ق م رہا۔ ارد گرد کی اقوام کے مسلسل حملوں سے یہ خیال زور پکڑ گیا کہ کوئی متحد مرکزی حکومت ہونی چاہیے چنانچہ سرداروں نے اس وقت کے نبی حضرت سموئیلؑ سے بادشاہ بنانے کی درخواست کی حضرت سموئیل نے ساؤل کو بادشاہ بنایا انکے بعد حضرت داؤدؑ 960 ق م تا 1000 ق م اور پھر حضرت سلیمانؑ 922 ق م تا 960 ق م بادشاہ رہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد 922 ق م میں ان کا بیٹا رحبعام جانشین ہوا رحبعام ایک ناخلف حکمران تھا جسے قرآن کریم نے بھی دآبۃ الارض یعنی زمینی کیڑا کہا ہے اسی وجہ سے اس کی حکمرانی میں دس قبائل اور بنیامین کا اکثر حصہ باغی ہو گیا اور یربعام بن نباط کی سربراہی میں فلسطین کے شمال میں ایک الگ حکومت بنائی جس کا نام مملکت اسرائیل رکھا اور باقی دو قبائل یہودہ، شمعون اور بنیامین قبیلہ کا کچھ حصہ رحبعام کے ماتحت ہی رہا انہوں نے فلسطین کے جنوب میں اپنی سلطنت بنائی۔ اور چونکہ حضرت داؤد، سلیمان اور انکا بیٹا رحبعام یہودہ قبیلہ سے تھے اس لئے حکمران قبیلہ ہونے کی وجہ سے اور یہودہ قبیلے کا علاقہ بھی ہونے کی وجہ سے اس سلطنت کا نام مملکت یہودہ رکھا گیا 200 سال بعد 722 ق م میں شمالی مملکت اسرائیل کو عراق کے شمال میں موجود اسیری حکومت نے تباہ کر دیا اور مملکت اسرائیل کے 10 قبائل کو جلاوطن کر کے عراق لے گئے جلاوطنی کے بعد یہ قبائل کبھی واپس نہیں آئے اور عراق سے چین افغانستان کشمیر اور ہندوستان میں آ گئے ان دس قبائل کو بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑیں بھی کہتے ہیں حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنی کتاب مسیح ہندوستان میں اسیری بادشاہ شالمنذر پنجم کے دور میں مملکت اسرائیل کی تباہی اور جلاوطنی کا ذکر کیا ہے مملکت اسرائیل کے بعد فلسطین میں صرف یہودہ سلطنت باقی رہی اور یہودہ مملکت 587 ق م 922 ق م سے لیکر تک قائم رہی۔ یہودہ سلطنت کے رہنے والوں کیلئے یہودی کا لفظ استعمال ہونا ایک فطری بات ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک کہ اسرائیلی مملکت میں بت پرستی رہ گئی تھی اور یہودہ سلطنت موسوی مذہب کی علمبردار رہی اس لئے یہود کا لفظ رہائش کی بجائے مذہب کے اظہار کیلئے استعمال ہونے لگا۔ لیکن اس لفظ کے استعمال کو زیادہ تقویت تب ملی جب 587 ق م میں عراق کی بابلی سلطنت کے بادشاہ بنوکدنضر یہودہ مملکت کو تباہ کر کے وہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ بابل لے گیا بابل میں بابلی لوگ انکو یہودی کہنے لگ گئے کیونکہ یہ یہودہ سلطنت سے آئے تھے پھر 538 ق م میں میڈو فارس کے بادشاہ خورس نے بابلی حکومت کو شکست دی اور ان جلاوطن سوا 2 قبائل کے کچھ لوگوں کو مملکت یہودہ میں واپس جانے دیا۔ ان دو قبائل کے کچھ لوگ خورس کی سلطنت میں ہی آباد رہے اور ظاہر ہے کہ اس دوران بابل و دیگر فارس حکومت کے رہنے والے لوگوں نے ان کو مملکت یہودہ سے آئے یہودی کے لفظ سے ہی پکارنا تھا مثلاً جیسے پردیس میں پاکستان سے گئے لوگوں کو پاکستانی کہا جاتا ہے اور اس بات کا ثبوت پادری ولیم جی بلیکی کی کتاب اے مینول آف بائبل ہسٹری صفحہ 370 میں آسٹر کی کتاب باب 2 آیت 5 پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”آسٹر کی کتاب سے یہ بات خوب روشن ہو جاتی ہے کہ یہودیوں کی جو فارسی سلطنت میں پھیلے ہوئے تھے کیا حالت تھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں بنی اسرائیلی عموماً یہودی کہلانے لگ گئے تھے“ اور یہ لفظ علاقائی اور مذہبی پہچان کیلئے استعمال ہونا شروع ہو گیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین کی بستی ناصرہ کے رہنے والے تھے اس لئے انکو مسیح ناصری اور انکے ماننے والوں کیلئے نصاریٰ کا لفظ بطور مذہب استعمال ہونا شروع ہو گیا۔ قرآن کریم حضرت موسیٰؑ سے لیکر حضرت سلیمانؑ کے دور تک یہود لفظ استعمال نہیں کرتا بلکہ بنی اسرائیل کرتا ہے کیونکہ لفظ یہود کا استعمال مملکت یہودہ بننے کے بعد شروع ہوا اب خاکسار اپنے مضمون کے نتیجہ کی طرف آتا ہے بنی اسرائیل 12 قبائل اور یہود لفظ مملکت یہودہ میں رہنے والے 2 یا سوا 2 قبائل پر دلالت کرتا ہے قرآن کریم ایک عالم الغیب خدا کی کتاب ہے اسکا ثبوت یہ ہے کہ قرآن ان دونوں لفظوں کو مختلف جگہوں پر ویسے ہی استعمال کرتا ہے جیسے یہ وقوع پذیر ہوئے ہیں جیسے حضرت یوسفؑ کی زندگی تک لفظ بنی اسرائیل مستعمل نہیں تھا لہذا قرآن کریم نے قصہ یوسف میں حضرت یعقوب کے بیٹوں کیلئے بنی اسرائیل نہیں بلکہ اِخْوَۃُ یُوسف لفظ استعمال کیا ہے قرآن کریم نے جہاں جہاں بھی اُن نعمتوں اور عذابوں کا ذکر کیا ہے جو ان 12 قبائل پر ہوئی تھیں وہاں لفظ بنی اسرائیل استعمال کیا ہے مثلاً (یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم) سورۃ بقرۃ 40۔ قرآن کریم میں لفظ بنی اسرائیل 41 دفعہ آیا ہے اور تمام جگہوں پر مکمل 12 قبیلے ہی مراد ہیں۔ اور لفظ یہود/ ہود/ ھادوا 23 دفعہ آیا ہے جہاں کوئی کام 12 قبائل نے نہیں بلکہ سوا 2 قبائل نے کیا وہاں لفظ یہود استعمال کیا ہے کیونکہ لفظ یہود مملکت یہودہ کے رہنے والے سوا 2 قبائل کیلئے استعمال ہونا شروع ہوا تھا اور اسی طرح موسوی مذہب کیلئے بھی استعمال ہونے لگا مثلاً جہاں حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کا ذکر ہے تو وہ چونکہ بنی اسرائیل کے مکمل 12 قبائل کیطرف مبعوث ہوئے تھے اسلئے وہاں لفظ بنی اسرائیل استعمال فرمایا (ورسولاً اِلی بنی اسرآئیل) سورۃ اٰل عمران 49۔ لیکن جہاں حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دینے کا ذکر کیا تو وہاں لفظ یہود استعمال فرمایا چنانچہ سورۃ النساء 158 تا 160 واقعہ صلیب بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِینَ ھادوا حَرَّمْنَا علیھم طیباتٍ اُحِلَّت لھم وبِصَدِّھم عن سبیل اللہ کثیرا) النسآء 161۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کو 12 قبائل نے صلیب دینے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ جب آپؑ فلسطین میں مبعوث ہوئے تو اس وقت وہاں صرف یہی سوا 2 قبائل آباد تھے جنکو یہود کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اسی طرح قرآن کریم جب آنحضورؐ کے دور کے یہود یا انکے بگڑے عقائد کا ذکر کرتا ہے تو بنی اسرائیل نہیں بلکہ یہود لفظ استعمال کرتا ہے مثلاً (وَلَن تَرْضٰی عنک الیھود ولا النصاریٰ حتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتھم) سورۃ البقرۃ 121 آنحضورؐ کے دور میں یہی سوا 2 قبائل کے لوگ تھے جنہیں یہود کہا جاتا ہے کیونکہ باقی دس قبائل تو جلاوطنی کے بعد افغانستان کشمیر اور پنجاب وغیرہ علاقوں میں آ گئے اور کبھی فلسطین واپس نہیں گئے اور نہ ہی ان کیلئے یہود لفظ کبھی استعمال ہوا ان دس قبائل کی طرف حضرت عیسیٰؑ واقعہ صلیب کے بعد گئے جیسا کہ یوحنا انجیل باب 7 آیت 34 میں لکھا ہے (تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے اور جہاں میں ہوں تم نہیں آ سکتے یہودیوں نے آپس میں کہا یہ کہاں جائے گا جو غیر یہودی اقوام میں جا بجا رہتے ہیں) اور یہ دس قبائل حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئے اور یہ دس قبائل اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اب مسلمان ہیں کیونکہ جن علاقوں میں یہ ہجرت کر کے آئے وہاں یہودی قریبًا بلکل نہیں پائے جاتے۔ اس ضمن میں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اگرچہ یہود لفظ کا استعمال مملکت یہودہ کے رہنے والے سوا دو قبائل کی وجہ سے شروع ہوا تھا لیکن پھر یہ لفظ موسوی مذہب کی جگہ لے لیا گیا اس لئے تفسیر کے وسیع پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس تناظر میں لفظ یہود سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کا زمانہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

ریحانہ صدیقہ بھٹی

آسمان تک ”دیوار“

کچھ سائنس کی دنیا سے

جاپانی کمپنی اوباباشی ایک 36000 کلومیٹر اونچی لفٹ بنا رہی ہے جو زمین اور خلا کے درمیان نقل وحمل کی سہولت فراہم کرے گی۔

یہ پراجیکٹ 2050ء تک مکمل ہونے کا امکان ہے۔

اوباباشی جاپان کی ایک بڑی ایئروسپیس کمپنی ہے۔ 2018ء کی ای۔این۔آرلسٹ میں دنیا کی بہترین دوسو پچاس تعمیراتی کمپنیوں میں اس کا پندرھواں نمبر تھا۔ اس سے قبل یہ بہت سے پراجیکٹ مکمل کر چکی ہے جس میں ٹوکیو سکائی ٹاور بھی شامل ہے جو کہ برج خلیفہ کے بعد دنیا کا دوسرا بلند ترین ٹاور ہے۔

ٹوکیو سکائی ٹاور

خلا تک لفٹ بنانے کا پراجیکٹ اس کمپنی نے 2019ء کے آخر میں شروع کیا۔ جاپانی انجینئرز کا مقصد ہے کہ ایئروسپیس انجینئرنگ اور خاص طور پر سیٹلائٹ کے میدان میں انقلاب برپا کردیں۔

ابھی تک انٹرنیشنل خلائی اسٹیشن تک مختلف چیزوں کی نقل وحمل کے لیے انھیں زمین پر جوڑا جاتا ہے اور پھر مکمل صورت میں ڈھال کر سپیس شٹل کے ذریعے انھیں خلاء میں بھیجا جاتا ہے۔ اس تمام عمل میں بہت سا وقت، بہت سا پیسہ اور بہت ایندھن استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہوائی آلودگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام مسائل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جاپانیوں نے یہ حل نکالا ہے کہ وہ چیزوں کو مکمل صورت میں جوڑنے کی بجائے انھیں چھوٹے حصوں میں خلاء میں لے جائیں گے اور وہاں جاکر مکمل صورت میں جوڑیں گے۔ اور اس مقصد کے لیے راکٹ کی بجائے اس 'خلائی راستے' یعنی لفٹ کا استعمال کیا جائے گا۔ یہ لفٹ ایک سو 100 ٹن کے کیبن کو 36000 کلومیٹر کی بلندی تک لے کر جائے گی یعنی جیوسٹیشنری مدار تک اس ٹیوب کا رداس 400 میٹر ہوگا۔ اس کو تیرنے والی بندرگاہ کہا جارہا ہے۔ اگرچہ ہمارے اب تک کے وسائل اس پراجیکٹ کو پایا تکمیل تک پہنچانے کے لیے ناکافی ہیں لیکن جاپانی اس منصوبے کو 2050ء تک مکمل کرنے کیلئے پر امید ہیں۔ اگر یہ منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہوجاتا ہے تو یہ مستقبل میں ایسے مزید منصوبوں کی تکمیل کے لئے مشعل راہ بنے گا۔

رپورٹ: (عبدالہادی قریشی۔ نمائندہ روزنامہ الفضل لندن آن لائن (سیرالیون)

سیرالیون کے بورریجن میں اطفال الاحمدیہ کا ریفریشر کورس

محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے مؤرخہ 6 ؍اپریل کو بورریجن کے شہر بوٹاؤن کی مجالس کے اطفال الاحمدیہ کا ایک ریفریشر کورس ناصر احمدیہ سنٹرل مسجد میں ہوا۔

ریفریشر کورس کا باقاعدہ آغاز دن دس بجے تلاوت قرآن کریم وترجمہ سے ہوا۔ جس کے بعد اطفال کا عہد دہرایا گیا۔ نظم کے بعد معزز ین کا تعارف کروایا گیا۔ جس کے بعد صدرِ مجلس نے پروگرام کا تعارف کروایا۔ مکرم حامد علی بنگورا صاحب، مرکزی مبلغ، مکرم محمود ڈمبویا صاحب، لوکل معلم اور مکرم عدیل احمد صاحب متعلم جامعہ نے اطفال کو اطفال الاحمدیہ کے مختلف امور کے بارے میں بتایا۔

اس موقع پر اطفال کے علمی مقابلہ جات بھی ہوئے جن میں مقابلہ تقریر، حفظِ نماز، دینی معلومات اور حفظِ حدیث کے مقابلے شامل تھے۔ پوزیشن لینے والے اطفال کو انعامات سے نوازا گیا۔ ورزشی مقابلوں میں لمبی دوڑ کا ایک مقابلہ کروایا گیا۔ دعا کے ساتھ اس بابرکت پروگرام کا اختتام ہوا۔ پروگرام میں بوشہر کی تمام جماعتوں سے کل 65 ؍اطفال شامل ہوئے۔ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد حاضرین کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔

طلوع وغروب آفتاب

18 مئی 2021ء

	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	04:17	18:53
مدینہ منورہ	04:10	19:00
قادیان	03:56	19:20
ربوہ	03:36	19:00
اسلام آباد ٹلفورڈ	03:39	20:52